پروفیسر حافظ ظہور احمد اظہر

مفتی عبدالسلام لاہوری

برصغیر پاک و ہند میں عظیم مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد سے لاہور کو کافی تاریخی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) اور جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) نے لاہور میں جو دلچسپی لی، اس سے نہ صرف یہ کہ اس شہر کی سیاسی و تمدنی اہمیت میں اضافہ ہونے لگا بلکہ علمی و ثقافتی لحاظ سے بھی لاہور کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی۔ لکھنؤ، دہلی اور شمالی ہند کے دیگر علمی و ثقافتی مراکز کی طرح یہ قدیم شہر بھی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور اس خطۂ مردم خیز نے علما و فضلا اور صوفیہ کی ایک بہت بڑی تعداد کو جنم دیا، جن کے علمی و فکری کارنامے اور دینی و ملی خدمات ہماری تاریخ کا ایک قابل فخر سرمایہ ہیں۔ اس دور، یعنی اکبری و جہانگیری دور میں جو اہل فضل و کمال اور اصحاب علم و دانش پیدا ہوئے، ان میں سے ایک مفتی عبدالسلام حنفی لاہوری بھی ہیں، جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک لاہور میں مسند تدریس پر فائز رہے، اور ہزاروں تشنگان علم و دانش ان کی خدمت میں زانوئے ادب طے کرتے اور ان کے سرچشمۂ فیض سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ ان میں کئی ایک ایسی نامور ہستیاں بھی تھیں جنھیں شہرت عام و بقائے دوام کے دربار میں باریابی نصیب ہوئی۔ وہ اپنے پیچھے ایسے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں جو ان کی اپنی ذاتی عظمت کے ساتھ ساتھ اس مرد درویش اور عالم ربانی کی عظمت پر بھی دلالت کرتے ہیں، جس نے اپنی زندگی عربی و اسلامی علوم کے لیے وقف کر دی تھی۔ جس کی درس گاہ اس دور میں طریقۂ تدریس اور کثرت تلامذہ کے لحاظ سے سرزمین پنجاب میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ اور جہاں کی سند فراغت بلند سے بلند تر سرکاری مناصب پر فائز ہونے کی ایک پختہ ضمانت سمجھی جاتی تھی [۱]۔

مفتی عبدالسلام لاہوری کے خاندان کے بارے میں تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں حتیٰ کہ کسی تذکرہ نگار نے ان کے والد کا نام بھی ذکر نہیں کیا۔ البتہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں

فقہ کی ایک کتاب کا مخطوطہ موجود ہے اور بعض قرائن و شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب مفتی عبدالسلام لاہوری ہی کی ہو گی (کتاب کا نام نافع المسلمین ہے (مفصل بحث آگے آئے گی) اور دیباچے میں مصنف نے اپنا نام عبدالسلام بن عبدالعزیز لاہوری بتایا ہے[۴] اس سے خاندانی حالات کچھ معلوم نہیں ہو سکے۔ لیکن ان کا بیٹا شیخ محمد مراد لاہوری ایک بلند پایہ فاضل اور راسخ الاعتقاد عالم دین تھا۔ وہ ان علما میں شامل تھا جنھوں نے خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذکر کے ساتھ وصی کا لفظ پڑھنے سے انکار کیا۔ شاہ عالم (۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۲ء) کے غیظ و غضب کی بھی پروانہ کی اور اس کے احکام کو مسترد کر دیا[۵]

جن تذکرہ نگاروں نے مفتی عبدالسلام لاہوری کے حالات لکھے ہیں، ان سب نے ان کی تاریخ پیدائش کا بھی ذکر نہیں کیا۔ البتہ بختاور خاں نے مرآۃ العالم میں اور آزاد نے مآثر الکرام میں یہ بیان کیا ہے کہ ان کی عمر نوے سال کے قریب ہوگئی تھی[۶] اگر یہ بیان درست مان لیا جائے اور یہ بھی سامنے رکھا جائے کہ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی وفات ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۸ء میں ہوئی تو ان کی پیدائش کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا نصف اول یعنی ۹۲۸ھ/ ۱۵۲۲ء ثابت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ان کی پیدائش ہندوستان پر بابر کے حملے (۹۳۰ھ/ ۱۵۲۴ء) کے دو سال بعد ہوئی۔ انھوں نے عہد بابری بھی پایا۔ عہد اکبری و عہد جہانگیری کی آب و تاب بھی دیکھی، اور عہد شاہ جہانی میں ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۸ء میں اس عالم فانی سے دارالقرار کی طرف رحلت فرمائی[۷]

تعلیم

مفتی عبدالسلام لاہوری نے اپنے دور کے مشہور اساتذہ اور نامور فضلا سے استفادہ کیا اور اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے شہر لاہور کے علاوہ دور دراز کے سفر کر کے برصغیر کے علما سے بھی علم اخذ کیا اور سند لی[۸] ان کے اساتذہ کی فہرست میں اس دور کے کئی ایک بے مثال فضلا اور علما کے نام شامل ہیں۔ ان میں سے ایک میر فتح اللہ شیرازی بھی تھے، جو معقولات میں اپنے عہد کے منفرد و یکتا فاضل تھے اور جمیع علوم عقلی و نقلی، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، طلسمات، نیرنجات اور جر اثقال بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ رصد ہندی کی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ عربی ادب، حدیث، تفسیر پر بھی عبور تھا[۹] ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر تمام علوم عقلی، منطق

اور فلسفہ دنیا سے ناپید ہوجاتے تو وہ انھیں از سرِ نو ایجاد کر سکتے تھے[9] اور بقول آزاد بلگرامی یہ شیخ فتح اللہ شیرازی ہی تھے جنھوں نے محقق دوانی، صدر شیرازی اور دیگر علمائے متاخرین کی تصانیف کو سرزمین ہند میں متعارف کرایا اور یہ یہاں کی درس گاہوں کے نصاب میں داخل ہو کر مقبول ہوئیں۔[10] ان کی وفات پر مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے کہا کہ اگر وہ کسی کی قید میں آجاتے اور مجھے فدیہ دے کر رہا کرانا پڑتا تو میں اپنے تمام خزانے خالی کر دیتا۔[11]

تذکرہ نگاروں نے یہ تو واضح نہیں کیا کہ مفتی عبدالسلام لاہوری نے ان سے کہاں استفادہ کیا؟ آیا فتح پور سیکری میں جہاں عادل شاہ بیجاپوری کے قتل کے بعد میر فتح اللہ شیرازی اکبر کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دربار اکبری سے منسلک ہو گئے تھے اور مالی منصب کے فرائض انجام دینے لگے تھے؛ یا اکبر کی لاہور میں آمد و قیام کے زمانے میں۔ گمان غالب یہی ہے کہ مفتی صاحب نے لاہور ہی میں ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ کیونکہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں شیرازی اکبر کے دربار سے منسلک ہوئے اور ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک اکبر لاہور میں مقیم رہا۔ یہیں فتح اللہ شیرازی کو امین الملک کا خطاب عطا ہوا۔ اور اکبر نے ٹوڈرمل کو مشورہ دیا کہ وہ مالی معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔[12] میر فتح اللہ شیرازی کی وفات ۹۹۷ھ/ ۹-۱۵۸۸ء میں کشمیر سے اکبر کی واپسی کے زمانے میں ماندو جان کے مقام پر ہوئی اور کوہ سلیمان پہ مدفون ہوئے۔[13]

2 جن دوسرے علما و فضلا سے مفتی عبدالسلام لاہوری نے علم اخذ کیا، ان میں شیخ سعد اللہ لاہوری بھی تھے، جو دور اکبری کے مستند علما میں سے تھے۔ اور ایک مدت تک لاہور میں درس و تدریس کی مسند پر متمکن رہے۔ وہ صاحب حال صوفی بھی تھے۔[14]

3 مفتی صاحب نے قاضی صدر الدین جالندھری ثم لاہوری سے بھی فیض حاصل کیا، جو مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کے شاگرد اور بقول عبدالقادر بدایونی تبحر علمی اور تحقیق میں اپنے استاد پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔[15] وہ عہد اکبری میں لاہور کے قاضی رہے، پھر بھروچ صوبہ گجرات کے قاضی مقرر ہوئے، جہاں انھوں نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی۔ قاضی صاحب بڑے وسیع المشرب، فراخ دل، ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔[16]

4 مفتی عبدالسلام لاہوری کے نامور اساتذہ میں سے ایک شیخ اسحاق بن کاکو بھی ہیں، جو

لاہور کے برگزیدہ اور فنا فی العلم لوگوں میں سے تھے۔ بقول صاحب طبقات اکبری (۲/۴۶۰) "از فحول علمائے ہنداست و بفقر و قناعت و توکل از امثال و اقران ممتاز بود۔" عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ " مرحوم لاہور با وعقیدہ ولایت دارند، دانشمند، متبحر و متوکل و متورع بود، ہرگز بخانۂ ارباب دنیا نرفتہ و حاجت نخواستہ، دایم درس میگفت، جامع جمیع علوم و صوفی مشرب بود، و ہمیشہ بحق مشغول بود، و تا نمی پرسید ند سخن نمی گفت[illegible]۔" شیخ اسحاق کے والد شیخ کاکو بھی بڑے پائے کے بزرگ اور عالم دین تھے۔ آپ شیخ فرید الدین مسعود کی نسل سے تھے[illegible] مفتی عبدالسلام کے علاوہ شیخ سعد اللہ لاہوری اور شیخ منور لاہوری نے بھی شیخ اسحاق بن کاکو سے فیض علم حاصل کیا۔ ان کی وفات ۹۹۶ یا ۹۹۷ھ میں ہوئی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مفتی عبدالسلام لاہوری نے اپنے آپ کو علوم عربی و اسلامی کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ وہ تمام عمر تشنگان علم کی پیاس بجھانے میں مصروف رہے۔ اس دور میں ان جیسا صاحب علم و فضل عالم بڑے سے بڑے سرکاری منصب تک آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ نیز وہ اگر چاہتے تو ان کے لیے دنیاوی جاہ و حشمت کے تمام راستے کھلے تھے مگر انھوں نے صبر و قناعت اور درویشی کے عالم میں درس و تدریس کو ترجیح دی، اور نصف صدی سے زائد عرصے تک مسند تدریس پر متمکن رہے[illegible]۔ شاہ نواز خاں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک مفتی عبدالسلام لاہوری نے شاہی افواج کے مفتی کے فرائض انجام دیے (بہ افتائے عسکر پادشاہی چندے قیام ورزیدہ) غالباً ان کے زہد و تقویٰ اور تبحر علمی کی بنیاد پر ان سے یہ درخواست کی گئی ہوگی کہ وہ تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ افتا کا کام بھی کر دیا کریں۔ تاہم انھوں نے تدریس کے فرائض سے کوتاہی کبھی نہیں کی اور نہ اس سلسلے کو منقطع کیا۔ حتیٰ کہ پیرانہ سالی میں نوے سال کی عمر کو پہنچ کر بھی یہ سلسلہ جاری رکھا[illegible]۔

اس دور میں مفتی صاحب کی درس گاہ کو بڑی شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ اور برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دوسری اسلامی دنیا کے فضلا سند فراغت حاصل کرنے کے بعد بھی ان سے استفادہ کرنا قابل فخر سمجھتے تھے[illegible]۔ چنانچہ میرک شاہ ہروی جو قاضی محمد اسلم ہروی کا بھتیجا تھا، جب خراسان سے ہندوستان آیا تو لاہور پہنچ کر مفتی عبدالسلام کے درس میں شامل ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے

ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کتب متداولہ کا اعادہ کیا اور ان کے علمی فیوض سے بہرہ ور ہوا۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ سلطنت مغلیہ میں کئی ایک سرکاری مناصب پر فائز ہوا۔ اور برابر ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اورنگ زیب کے عہد میں صدر کل یا صدر الصدور کے بلند ترین منصب پر متمکن ہوا۔ شیخ میرک ہروی ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء میں فوت ہوا۔[۲۲]

مفتی عبدالسلام لاہوری سے جو نامور اہل علم و فضل فیض یاب ہوئے، ان میں سے ایک
2 شیخ محب اللہ بہاری متوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء بھی ہیں۔ وہ برصغیر کے متصوفین میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اور علم تصوف میں مجتہدانہ تحقیق و تدقیق کے باعث شیخ اکبر ابن عربی کے مقابلے میں "شیخ کبیر" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ شیخ محب اللہ ابن عربی کے فلسفہ تصوف کی تشریح واشاعت اور وسیع الخیالی کی وجہ سے اپنے زمانہ میں ایک متنازع فیہ شخصیت بن گئے تھے۔ انھوں نے اپنے وطن صدرپور سے جو نواح خیرآباد میں سے ہے، علم کی خاطر سفر کیا اور لاہور آ کر مفتی عبدالسلام
3 & 4 کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ اس وقت محمد میر سائیں سیوستانی اور وزیر اجل سعد اللہ خاں بھی ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔[۲۳]

صاحب نزہۃ الخواطر نے ذیل الوفیات کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ شاہجہان کا وزیر اور سپہ سالار سعد اللہ خاں تمیمی چنیوٹی لاہوری بھی مفتی عبدالسلام کے حلقہ درس میں شریک[۲۴] ہوتا رہا۔ اگرچہ کسی دوسرے تذکرہ نگار نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ بعید از امکان نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ مفتی صاحب شاہجہاں کی تخت نشینی کے پہلے سال فوت ہوئے۔ اور سعد اللہ خاں اس زمانے میں لاہور کی درس گاہوں اور خانقاہوں میں استفادہ علم کے ساتھ ساتھ استفاضہ تصوف میں مشغول تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۷ سال سے کم نہ تھی۔ وہ ۱۰ صفر ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء کو پیدا ہوا۔[۲۵] چنانچہ جب اس نے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تو اس وقت مفتی صاحب کی درسگاہ ایک ممتاز حیثیت اختیار کر چکی تھی اس لیے یقیناً اس نے ان سے استفادہ کیا ہوگا۔

5 مفتی عبدالسلام لاہوری کے قاضی عبدالسلام دیوی بھی شاگرد تھے۔ یہ دیوہ مضافات لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کرنے کے بعد معقولات و منقولات کی تکمیل کے لیے لاہور کا رخ کیا اور مفتی عبدالسلام کے حلقہ درس میں ایک طویل مدت

تک شریک رہے۔ وہ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے بعد شاہجہانی دور میں شاہی افواج کے مفتی مقرر ہوئے مگر استاد کی طرح بالآخر لاہور میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور آخری دم تک یہی فریضہ انجام دیتے رہے[۲۶]

مفتی عبدالسلام لاہوری کے ایک اور نامور شاگرد شیخ محمد میر عمری سیوستانی بھی تھے۔ وہ ۹۵۷ھ میں سیوستان میں پیدا ہوئے اور اپنے مرشد شیخ خضر سیوستانی کے حکم سے لاہور آئے اور مفتی صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ساٹھ سال تک لاہور میں فیض و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے متوسلین میں "میاں میر" کے نام سے مشہور ہوئے۔ کشمیر سے واپسی پر شاہجہان ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور ان سے بہت متاثر ہوا۔ ان کی وفات ۱۰۴۵ھ میں ہوئی آپ کا مزار لاہور میں مرجع خلائق ہے۔[۲۷]

بختاور خاں نے مفتی عبدالسلام لاہوری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "در آخر عمر کہ پسر خود را بیضاوی درس می گفت و حاشیہ بر بیضاوی نوشت می فرمود: سخنان بسیار بر کتب متداولہ داشتم و بر اہل فضل عرض کردہ بودم و در معرض قبول افتادہ بود لیکن از کثرت درس فرصت نیافتم کہ در قید تحریر درآورم"۔ اس بیان سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے آخری عمر تک تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا بھی تھا جو آخری عمر میں آپ سے استفادہ کرتا تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ پیرانہ سالی میں ہوا ہوگا کیونکہ آپ کا یہی فرزند ارجمند اور تلمیذ ارشد شیخ محمد مراد بن عبدالسلام حنفی لاہوری عالم شاہ کے عہد تک زندہ تھا اور جب بادشاہ نے خطبہ جمعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بڑھانے کا حکم دیا تو وہ ان علما میں شامل تھے جنھوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کیا اور بادشاہ کے سامنے اس فرمان کو غلط کہا اور اس کی پاداش میں قید ہوئے۔[۲۸]

تذکرہ نگاروں نے مفتی عبدالسلام لاہوری کو جن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ وہ جہاں ان کی عظمت کی دلیل ہے، وہاں ان علوم کی بھی نشاندہی کرتا ہے، جن میں انھیں کمال حاصل تھا۔ صاحب طبقات اکبری انھیں "فحول علمائے لاہور" قرار دیتا ہے۔ مآثر الامرا میں انھیں مستند فاضل اور بلند مرتبہ فقیہ کہا گیا ہے۔ بقول بختاور خاں "از فضلائی متبحرین بودہ۔"

بادشاہ نامہ میں انھیں " ماہر معقول و منقول ملا عبدالسلام لاہوری مفتی کہ فنون ادبیہ و فقہ و اصول فقہ را نیکو دانستی " کہہ کر خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ محمد صالح کنبوہ کے نزدیک وہ " جامع المعقول والمنقول ملا عبدالسلام لاہوری کہ در فنون تفسیر و فقہ ثانی و نظیر نداشت " کے خراج تحسین کے مستحق ہیں۔[۱]

مفتی صاحب چونکہ ہمہ تن تدریس و افادہ میں مشغول رہے، اس لیے وہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ ان کی تصانیف میں سے ایک توبیضاوی کے حاشیہ کا ذکر ملتا ہے، جو انھوں نے آخر عمر میں اپنے بیٹے محمد مراد کو پڑھاتے وقت تحریر کیا تھا۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں فارسی زبان میں فقہ کی ایک نفیس کتاب موجود ہے جس کا نام " نافع المسلمین " ہے اور دیباچے میں مصنف نے اپنا نام عبدالسلام بن عبدالعزیز لاہوری بتایا ہے۔ اس نادر کتاب کا ایک مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔[۳]

نافع المسلمین اگرچہ فارسی زبان میں مختلف فقہی مسائل کے مفتیانہ جوابات پر مشتمل ہے لیکن اس میں مصنف نے جگہ جگہ عمدہ عربی میں بعض باتیں بیان کرنے کے علاوہ غیر فقہی مسائل و معارف کا بھی ایک اچھا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور جیسا کہ ایشیاٹک سوسائٹی کے فہرست ساز نے اسے مفتی عبدالسلام لاہوری کی تصانیف میں ہونے کو بعید از قیاس قرار نہیں دیا، راقم کو بھی یہ لکھنے میں تردد نہیں کہ یہ عمدہ اور نادر کتاب ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو مفتی عبدالسلام لاہوری سے مختلف اوقات میں دریافت کیے گئے۔

حواشی:

۱۔ بادشاہ نامہ، جلد اول، حصہ دوم، ص ۳۴۲، نزہۃ الخواطر ۵: ۲۲۳، مآثر الامرا ۳: ۱۸ ۵، مرأۃ العالم، ص ۵۳۵۔

۲۔ نزہۃ الخواطر ۵: ۲۲۳، نقوش لاہور نمبر ص ۴۸۳۔

۳۔ ورق الف، نیز دیکھیے فہرست مخطوطات فارسی ۲: ۳۰۶، ایوانو کرزن، ص ۲۴۰۔

۴۔ نزہۃ الخواطر ۶: ۲۴۹ ۵۔ مرأۃ العالم ص ۵۳۵، مآثر الکرام ص ۲۲۶

۶ مآثر الامرا ۳/۵۱۸، نزہۃ الخواطر ۵/۲۲/۲۲، مآثر الکرام ص ۲۳۶

۷ نقوش لاہور نمبر ص ۴۸۲

۸ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۷۳

۹ نزہۃ الخواطر ۴/۲۵۵

۱۰ مآثر الکرام ص ۲۳۸

۱۱ نزہۃ الخواطر ۴/۲۵۴

۱۲ مآثر الکرام ص ۲۳۷، لاہور عہد مغلیہ میں ص ۳

۱۳ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۷۳، مآثر الکرام ص ۲۳۸، نزہۃ الخواطر ۴/۲۵۵

۱۴ منتخب التواریخ ۳/۵۳

۱۵ ایضاً ص ۸۴

۱۶ طبقات اکبری ۲/۴۶۰، مرآۃ العالم ص ۵۱۵، نزہۃ الخواطر ۴/۱۵۸

۱۷ منتخب التواریخ ۳/۵۱

۱۸ نزہۃ الخواطر ۴/۳۳

۱۹ بادشاہ نامہ ۱/۳۴۲، مآثر الامرا ۳/۵۱۸، مرآۃ العالم ص ۵۳۵

۲۰ ایضاً

۲۱ مآثر الامرا ۳/۵۱۸

۲۲ ایضاً

۲۳ نزہۃ الخواطر ۵/۳۲۳، رود کوثر ۴۰۴

۲۴ نزہۃ الخواطر ۵/۱۵۴، ۳۲۲

۲۵ نقوش لاہور نمبر ص ۵۱۰

۲۶ مفصل دیکھیے نزہۃ الخواطر ۵/۲۲۲، مآثر الکرام ص ۲۳۵

۲۷ تفصیل کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ۵/۲۹۲، شاہجہاں نامہ ۲/۳۵۷

۲۸ نزہۃ الخواطر ۶/۳۴۸، ۱۸، ۴، منتخب اللباب ۲/۸۱۴

۲۹ طبقات اکبری ۲/۴۶۹، مآثر الامرا ۳/۵۱۸، مرآۃ العالم ص ۵۳۵، بادشاہ نامہ ۱/۳۴۲، شاہجہاں نامہ ۲/۳۸۲

۳۰ فہرست مخطوطات شیرانی ۲/۳۰۶